جنگ آزادی میں مسلمانوں کا کردار

از: محمد احمد ابن مولانا محمد شفیع قاسمی
رضیۃ الابرار، سلمان آباد، بھٹکل

ہندوستان کو طویل جدوجہد کے بعد آزادی کی نعمت حاصل ہوئی، جس کے لیے ہمارے اسلاف نے زبردست قربانیوں کا نذرانہ پیش کیا، جان و مال کی قربانیاں دیں، تحریکیں چلائیں تختۂ دار پر چڑھے، پھانسی کے پھندے کو جرات وحوصلہ اور کمال بہادری کے ساتھ بخوشی گلے لگایا، قید و بند کی صعوبتیں جھلیں اور حصولِ آزادی کی خاطر میدان جنگ میں نکل پڑے، آخر غیر ملکی (انگریز) ملک سے نکل جانے پر مجبور ہوئے۔

غیر ملکی حکمرانوں نے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے طرح طرح کی چالیں چلیں، تدبیریں کیں، رشوتیں دیں، لالچ دیئے، پھوٹ ڈالوں اور حکومت کرو کا اصول بڑے پیمانے پر اختیار کیا، فرقہ وارانہ اختلافات پیدا کیے، حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا، آپس میں غلط فہمیاں پھیلائیں، تاریخ کو مسخ کیا، انگریزوں نے ہندوستان کے معصوم باشندوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے اور ناحق لوگوں کو تختۂ دار پر لٹکایا، ہندوستانیوں پر ناحق گولیاں چلائیں، چلتی ریلوں پر سے اٹھا کر باہر پھینکا؛ مگر ان کے ظلم وستم کو روکنے اور طوقِ غلامی کو گردن سے نکالنے کے لیے بہادر مجاہدین آزادی نے ان کا مقابلہ کیا اور ملک کو آزاد کرکے ہی اطمینان کا سانس لیا۔

ہندوستان کی تحریک آزادی میں مسلمانوں کا حصہ قدرتی طور پر بہت ممتاز ونمایاں رہا ہے، انھوں نے جنگ آزادی میں قائد اور رہنما کا پارٹ ادا کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے اقتدار مسلم حکمرانوں سے چھینا تھا، اقتدار سے محرومی کا دکھ اور درد مسلمانوں کو ہوا، انھیں حاکم سے محکوم بننا پڑا، اس کی تکلیف اور دکھ انھیں جھیلنا پڑا، اسی لیے محکومیت وغلامی سے آزادی کی اصل لڑائی بھی انھیں کو لڑنی پڑی۔

انگریزوں سے باقاعدہ منظّم جنگ نواب سراج الدولہ کے نانا علی وردی خان نے 1754ء

میں کی اوران کوشکست دی، کلکتہ کاڈائمنڈ ہاربر Diamond Harbour اورفورٹ ولیم Fort William انگریزوں کا مرکز تھا،علی وردی خان نے فورٹ ولیم پرحملہ کرکے انگریزوں کو بھگایا، انگریزڈائمنڈ ہاربرمیں پناہ لینے پرمجبورہوئے۔اسے پہلی منظّم اور مسلح جنگ آزادی قرار دیا جاسکتاہے۔علی وردی خان کے بعدان کے نواسہ نواب سراج الدولہ حاکم ہوئے اوراس خطرہ کومحسوس کیا کہ انگریز ان کے ملک پرآہستہ آہستہ حاوی ہورہے ہیں اوران کو ملک سے نکالناضروری ہے۔اس نے حوصلہ اورہمت سے انگریزوں کوشکست دینا چاہا؛ مگرانکادربارسازشوں کااڈہ بن گیاتھا؛اس لیےانہیں شکست ہوئی اور 1757ء میں برٹش فوج نے ان کے دارالسلطنت مرشدآبادمیں انھیں شہیدکردیا۔

تاریخ کے صفحات میں پلاسی کی جنگ 1757ء اوربکسرکی جنگ 1764 کی تفصیل موجود ہے، یہ جنگ بھی ہندوستانیوں کی شکست پرختم ہوئی،اس کے بعدانگریز بنگال، بہار اور اوڑیسہ پر پوری طرح حاوی ہوگئے۔

جنگِ آزادی میں حیدرعلی اورٹیپوسلطان کا کردار

دکن فرمانرواحیدرعلی (م 1782ء)اوران کے صاحبزادہ ٹیپوسلطان کے ذکرکےبغیرجنگ آزادی کی تاریخ ادھوری ہوگی،جومستقل انگریزوں کے لیےچیلنج بنے رہے،حیدرعلی اورٹیپوسلطان نے انگریزوں سے چارجنگیں کیں، ٹیپوسلطان 1782ء میں حکمراں ہوئے،1783ء میں انگریزوں سےٹیپوکی پہلی جنگ ہوئی اورانگریزوں کوشکست ہوئی۔یہ جنگ 1784ء میں ختم ہوئی، یہ میسورکی دوسری جنگ کہلاتی ہے۔انگریزاپنی شکست کاانتقام لینے کے لیے بےچین تھے؛ چنانچہ 1792ء میں انگریزوں نے اپنی شکست کاانتقام لیتے ہوئےحملہ کیا؛ مگراپنےبعض وزراء وافسران کی بےوفائی اوراپنی ہی فوج کی غداری اوراچانک حملہ کی وجہ سےٹیپومعاہدہ کرنے پرمجبورہوئے۔ ٹیپوکوبطورتاوان تین کروڑروپئے،نصف علاقہ اوردوشہزادوں کوبطورِیرغمال انگریزوں کودیناپڑا۔

مفکراسلام حضرت مولاناابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

''سب سے پہلاشخص جس کواس خطرہ کااحساس ہواوہ میسورکابلند ہمت اورغیور فرمانروافتح علی خان ٹیپوسلطان (۱۳۱۳ھ۱۷۹۹ء)تھا،جس نے اپنی بالغ نظری اورغیرمعمولی ذہانت سے یہ بات محسوس کرلی کہ انگریزاسی طرح ایک ایک صوبہ

اور ایک ایک ریاست ہضم کرتے رہیں گے اور اگر کوئی منظم طاقت ان کے مقابلہ پر نہ آئی تو آخر کار پورا ملک ان کا لقمہ تر بن جائے گا؛ چنانچہ انھوں نے انگریزوں سے جنگ کا فیصلہ کیا اور اپنے پورے سازوسامان، وسائل اور فوجی تیاریوں کے ساتھ ان کے مقابلہ میں آگئے''۔

ٹیپو سلطان کی جدوجہد اور اولوالعزمی

ٹیپو نے ہندوستان کے راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کو انگریزوں سے جنگ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، اس مقصد سے انھوں نے سلطان ترکی سلیم عثمانی، دوسرے مسلمان بادشاہوں اور ہندوستان کے امراء اور نوابوں سے خط وکتابت کی اور زندگی بھر انگریزوں سے سخت معرکہ آرائی میں مشغول رہے، قریب تھا کہ انگریزوں کے سارے منصوبوں پر پانی پھر جائے اور وہ اس ملک سے بالکل بے دخل ہوجائیں؛ مگر انگریزوں نے جنوبی ہند کے امراء کو اپنے ساتھ ملالیا اور آخر کار اس مجاہد بادشاہ نے ۴؍مئی ۱۷۹۹ء کو سرنگا پٹنم کے معرکہ میں شہید ہوکر سرخروئی حاصل کی، انھوں نے انگریزوں کی غلامی اور اسیری اور ان کے رحم وکرم پر زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دی، ان کا مشہور تاریخی مقولہ ہے کہ ''گیڈر کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے''۔ جب جنرل HORSE کو سلطان کی شہادت کی خبر ملی تو اس نے ان کی نعش پر کھڑے ہوکر یہ الفاظ کہے کہ: آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔'' (ہندوستانی مسلمان ص ۱۳۷)

جنگ آزادی میں شاہ ولی اللہ اور انکے شاگردوں کا کردار

ٹیپو سلطان کی شہادت نیز ہزاروں افراد کے قتل کے بعد ملک میں برطانوی اثرات بڑھتے چلے گئے، انگریز سیاسی اثرات بڑھانے کے ساتھ ساتھ مشنری ورک بھی کررہے تھے، اس زمانہ میں دینی مدارس بڑی تعداد میں تباہ کیے گئے، ان کوششوں کے ساتھ ساتھ دہلی میں ایک تحریک وجود میں آئی، جس کے بانی شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م 1762ء) تھے، ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م 1824ء) نے اپنے والد کی تحریک کو بڑھایا، وہ انگریزوں کے سخت خلاف تھے۔ انہوں نے 1803ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا مشہور فتوی دیا، جس میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا گیا اور سید احمد شہید رائے بریلویؒ کو لبریشن

موومنٹ کا قائد مقرر کیا۔ 1831ء میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ بالاکوٹ میں اپنے بے شمار رفقاء کے ساتھ اس ملک کے انسانوں کو آزادی دلانے کے لیے انگریزوں اور ان کے اتحادی سکھ ساتھیوں کے خلاف جہاد میں شہید ہوئے؛ لیکن یہ تحریک چلتی رہی، مولانا نصیرالدین دہلویؒ نے قیادت کی ذمہ داری سنبھالی۔ 1840ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ انکے بعد مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ (م1852ء) اور انکے بھائی مولانا عنایت علی عظیم آبادی (م1858ء) نے اس تحریک کو زندہ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس طرح یہ جہاد کا قافلہ برابر رواں دواں رہا؛ حتیٰ کہ سن ستاون 1857ء تک لے آیا۔ علماء کی اس تحریک کو انگریزوں نے وہابی تحریک کے نام سے مشہور کیا جو نجد کے محمد بن عبدالوہاب نامی عالم کے نظریات پر مبنی تھی؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کے اکثر افراد ہندوستان ہی کے مشہور عالم شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے تربیت یافتہ تھے، اور یہ تحریک انھیں کے نظریات پر مبنی تھی؛ اس لیے اسے ''ولی اللّٰہی'' تحریک کا نام دیا جانا چاہئے۔

انگریزوں کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کرنے میں علماء کرام کی خدمات

1857ء میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور شاہ اسحاق محدث دہلویؒ اور انکے شاگردوں کی محنت رنگ لائی، اور 1857ء میں علماء کرام کی ایک جماعت تیار ہوئی۔ ان میں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسیؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، مولانا فضلِ حق خیرآبادیؒ، مولانا سرفرازؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، حافظ ضامن شہیدؒ اور مولانا منیر نانوتویؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ غدر کے زمانہ میں مولانا فضل حق خیرآبادیؒ نے انگیریزوں کے خلاف فتوی مرتب کرایا جس پر علماء دہلی سے دستخط لیے گئے، اور یہی فتوی مولانا کی گرفتاری کا سبب بنا، جب مولانا پر مقدمہ چلا اور جہاد کے فتوی کی عدالت نے تصدیق چاہی، تو مولانا نے کھل کر کہا کہ فتوی میرا ہی مرتب کیا ہوا ہے۔ 1857ء کے زمانہ میں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسیؒ سپہ سالار کی حیثیت سے کام کررہے تھے۔ ہومز لکھتا ہے: ''مولوی احمد اللہ شاہ شمالی ہند میں انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ 1865ء میں مولانا احمد اللہ عظیم آبادیؒ، مولانا یحیٰی علیؒ، مولانا عبدالرحیم صادق پوریؒ، مولانا جعفر تھانیسریؒ کو انڈمان بھیج دیا گیا جو کالا پانی کہلاتا ہے۔ اسی زمانہ میں مولانا فضل حق خیرآبادیؒ، مفتی احمد کاکورویؒ اور مفتی مظہر کریم دریابادیؒ کو بھی انڈمان روانہ کیا گیا،

جن میں مولانا احمد اللہ عظیم آبادیؒ، مولانا یحییٰ علیؒ، اور مولانا فضل حق خیرآبادیؒ وغیرہم کا وہیں انتقال ہوگیا۔ مولانا عبدالرحیم صادق پوریؒ اور مولانا جعفر تھانیسریؒ اٹھارہ سال کی قید بامشقت اور جلاوطنی کے بعد 1883ء میں اپنے وطن واپس ہوئے۔ مولانا جعفر تھانیسریؒ اپنی کتاب کالا پانی میں تحریر فرماتے ہیں: ''ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پیروں میں بیڑیاں، جسم پر جیل کا لباس اور کمر پر لوہے کی سلاخیں تھیں۔ انگریز ہم تین علماء کے لیے خاص لوہے کے قفس تیار کروائے اور ہمیں ان میں ڈال دیا۔ اس پنجرے میں لوہے کی چونچ دار سلاخیں بھی لگوائیں، جس کی وجہ سے ہم نہ سہارا لے سکتے تھے، نہ بیٹھ سکتے تھے۔ ہماری آنکھوں سے آنسوں اور پیروں سے خون بہہ رہے تھے۔ غدر کے ملزمان انگریزوں کی نگاہ میں اتنے بڑے مجرم سمجھے گئے کہ غدر 1857ء میں پکڑے گئے لوگوں کو یا تو سرعام پھانسی دیدی گئی یا بہت سے لوگوں کو اسی جزیرے انڈمان میں موت سے بدتر زندگی گذارنے کے لیے بھیجا گیا۔ مولانا جعفر تھانیسریؒ نے جزیرہ انڈمان کی زندگی پر بہت ہی مفصل آپ بیتی ''کالا پانی'' کے نام سے لکھی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں!

جنگ آزادی میں علماء دیوبند کا کردار

1857ء میں شاملی ضلع مظفرنگر کے میدان میں علماء دیوبند نے انگریزوں سے باقاعدہ جنگ کی، جس کے امیر حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ مقرر ہوئے۔ اور اس کی قیادت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، اور مولانا منیر نانوتویؒ کر رہے تھے۔ اس جنگ میں حافظ ضامنؒ شہید ہوئے، مولانا قاسم نانوتویؒ انگریزوں کی گولی لگ کر زخمی ہوئے، انگریزی حکومت کی طرف سے آپ کے نام وارنٹ رہا؛ لیکن گرفتار نہ ہوسکے، 1880ء میں وفات پائی، دیوبند میں قبرستان قاسمی میں آسودۂ خواب ہیں۔ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ان حالات میں ملک میں رہ کر اب اپنے مشن کو برقرار رکھنا ممکن نہیں، مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے۔ وہاں سے انھوں نے اپنے مریدین ومتوسلین کے ذریعہ ہندوستان میں اپنے ہدایت وفیض کا سلسلہ جاری رکھا۔ 1899ء میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو گرفتار کیا گیا اور سہارنپور کے قیدخانہ میں رکھا گیا، پھر کچھ دن کال کوٹھری میں رکھ کر مظفرنگر کے قیدخانہ میں منتقل کیا گیا۔ چھ ماہ تک آپ کو قید وبند کی مصیبتیں جھیلنی پڑی۔ 1905ء میں وفات پائی۔ گنگوہ کی سرزمین میں آسودہ خواب ہیں۔ 1857ء کی جنگ میں مسلمانوں کو بظاہر شکست ہوئی، مگر یہ شکست نہیں، فتح تھی۔ 1857ء کی

جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے اسلام پر حملہ کیا اسلامی عقائد، اسلامی فکر اور اسلامی تہذیب کو ہندوستان سے ختم کرنے کا فیصلہ کیا، یہاں سے انگریزوں کا زوال شروع ہوا، حکومت برطانیہ کا لارڈ میکالے جب وایسرائے بن کر آیا تو اس نے مغربی تہذیب اور مغربی فکر، نصرانی عقائد قائم کرنے کا ایک پروگرام بنایا، اس نے کہا: ''میں ایک ایسا نظام تعلیم وضع کرجاوں گا جو ایک ہندوستانی مسلمان کا جسم تو کالا ہوگا مگر دماغ گورا یعنی انگریز کی طرح سوچے گا''۔

ہندوستان میں اسلام کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے چند شخصیات کو پیدا کیا، ان میں سے ایک اہم شخصیت حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تھی، اس زمانہ میں اسلام کی بقاء، اسلامی عقائد، اسلامی فکر اور اسلامی تہذیب کی حفاظت کے لیے حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے ایک تحریک چلائی، جس کو تحریک دیوبند کہا جاتا ہے، جگہ جگہ مدرسہ قائم کیے، اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنے رفقاء (حاجی عابد حسین دیوبندیؒ، مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ، مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ اور مولانا رفیع الدینؒ وغیرہم) کی مدد سے 15 محرم 1283ھ مطابق 30 مئی 1866ء جمعرات کے دن ضلع سہارنپور میں واقع دیوبند نامی مقام پر ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی؛ تاکہ یہ مسلمانوں میں نظم پیدا کرے، جو ان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل میں قائم رکھنے میں معین ہو، ایشیا کی اس عظیم درسگاہ کا آغاز دیوبند کی ایک مسجد (چھتہ مسجد کے صحن میں آنار کے درخت کے سایہ میں ایک استاد (ملا محمود) اور ایک طالب علم (محمود حسن) سے ہوا جو بعد میں ''ازہر ہند'' کہلائی اور جسے دارالعلوم دیوبند کے نام سے شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی، بقول حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ''دارالعلوم دیوبند ہندوستان میں بقاء اسلام اور تحفظِ علم کا ذریعہ ہے''۔

انڈین نیشنل کانگرس کا قیام اور اس میں مسلمانوں کا حصہ

1884ء میں انڈین نیشنل کانگرس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، جس میں بعض ممتاز اہل علم واہل فکر مسلمان بھی شریک تھے، اور اس کا قیام 1885ء میں عمل میں آیا۔ اس کے بانیوں میں مسلمان بھی شامل تھے، جن کے نام بدرالدین طیب جی اور رحمت اللہ سیانی تھے، کانگرس کا چوتھا اجلاس 1887ء میں مدراس میں ہوا، جس کی صدارت بدرالدین طیب جی نے کی۔

جنگ آزادی میں دارالعلوم دیوبند کا کردار

جنگ آزادی میں اکابر دیوبند (حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد

گنگوہیؒ) اور فرزندان دارالعلوم دیوبند (شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا عزیز گل پیشاوریؒ، مولانا منصور انصاریؒ، مولانا فضل ربیؒ، مولانا محمد اکبرؒ، مولانا احمد چکوالیؒ، مولانا احمد اللہ پانی پتیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ وغیرہم) کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ 1912ء میں ریشمی رومال تحریک کی ابتدا ہوئی، جس کے بانی فرزندِ اول دارالعلوم دیوبند تھے، جن کو دنیا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے نام سے جانتی ہے، بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ: ''آپ (شیخ الہند) انگریزی حکومت اور اقتدار کے سخت ترین مخالف تھے، سلطان ٹیپو کے بعد انگریزوں کا ایسا دشمن اور مخالف دیکھنے میں نہیں آیا''۔ اس تحریک میں اہم رول آپ کے شاگرد مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ادا کیا، افغانستان کی حکومت کو مدد کے لیے تیار کرنا اور انگریزوں کے خلاف رائے عامہ بنانا مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا مشن تھا۔ شیخ الہندؒ کے نمائندے ملک کے اندر اور ملک کے باہر سرگرم اور فعال تھے، افغانستان، پاکستان، صوبہ سرحد اور حجاز کے اندر قاصد کا کام کررہے تھے، خلافت عثمانیہ کے ذمہ داروں سے مثلاً انور پاشاہ وغیرہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، اور ترکی جانے کا شیخ الہند نے خود عزم مصمم کرلیا تھا، اس مقصد کے لیے پہلے وہ حجاز تشریف لے گئے اور وہاں تقریباً دو سال قیام رہا، اس اثنا میں دو حج کیے، مکہ مکرمہ پہنچ کر حجاز میں مقیم ترک گورنر غالب پاشا سے ملاقاتیں کیں، اور ترکی کے وزیر جنگ انور پاشا سے بھی ملاقات کی، جو ان دنوں مدینہ آئے ہوئے تھے، انھیں ہندوستان کی صورت حال سے آگاہ کیا اور اپنے منصوبہ سے واقف کرایا، ان دونوں نے شیخ الہندؒ کے خیالات سے اتفاق کرتے ہوئے، ان کے منصوبے کی تائید کی اور برطانوی حکومت کے خلاف اپنے اور اپنی حکومت کے تعاون کا یقین دلایا، مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے کابل سے ریشمی رومال پر جو راز دارانہ خطوط شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کو مکہ مکرمہ روانہ کیے تھے، ان کو حکومت برطانیہ کے لوگوں نے پکڑلیا، یہی شیخ الہندؒ کی گرفتاری کا سبب بنی اور پورے منصوبے پر پانی پھیر دیا۔ 1916ء میں شریف حسین کی حکومت نے ان کو مدینہ منورہ میں گرفتار کرکے انگریزی حکومت کے حوالہ کردیا۔ شریف حسین نے خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت اور غداری کی تھی، وہ برطانوی حکومت کا وفادار دوست تھا اور خلافت عثمانیہ اور مسلمانوں کی تحریک آزادی کا شدید مخالف تھا۔ 1917ء میں شیخ الہندؒ اور ساتھوں کو بحیرۂ روم میں واقع جزیرہ مالٹا جلاوطن کیا گیا۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عزیز گل پیشاوریؒ، مولانا حکیم نصرت حسینؒ، مولانا وحید احمدؒ وغیرہم نے مدتوں اپنے استاذ شیخ الہندؒ کے

ساتھ مالٹا کے قید خانہ میں سختیاں برداشت کیں، مالٹا کے قید خانہ میں انگریزوں نے شیخ الہندؒ کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا، سخت سے سخت سزائیں دی گئیں؛ چنانچہ مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ جب شیخ الہندؒ کو مالٹا جیل میں نظر بند کیا گیا تو انگریز میرے استاد کو ایک تہہ خانہ میں لے گئے اور لوہے کی گرم تپتی ہوئی سلاخیں لے کر کمر پر لگاتے رہے اور ساتھ میں یہ فرماتے رہے کہ ''اے محمود حسن! انگریز کے حق میں فتوی دے'' جب شیخ الہندؒ ہوش میں آتے تو صرف یہی فرماتے تھے کہ ''اے انگریز! میرا جسم پگھل سکتا ہے، میں بلال کا وارث ہوں، میری جلد ادھیڑ سکتی ہے؛ لیکن میں ہرگز ہرگز تمہارے حق میں فتوی نہیں دے سکتا۔'' شیخ الہند کی تحریک میں مولانا منصور انصاریؒ، مولانا فضل ربیؒ، مولانا فضل محمودؒ، مولانا محمد اکبرؒ کا شمار اہم ارکان میں تھا۔ مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ، مولانا محمد احمد چکوالیؒ، مولانا محمد صادق کراچویؒ، شیخ عبدالرحیم سندھی، مولانا احمد اللہ پانی پتی، ڈاکٹر احمد انصاری وغیرہ سب مخلصین بھی مخلصانہ تعلق رکھتے تھے، ان کے علاوہ مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، حکیم اجمل خان وغیرہ بھی آپ کے مشیر ومعاون تھے۔

1919ء میں جمعیۃ علماء ہند کا قیام عمل میں آیا، جس کے بنیادی ارکان میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالمحاسن سجاد، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ جیسے دانشورانِ قوم تھے۔ شیخ الہندؒ کی رہائی کے بعد سب سے پہلے 29 جولائی 1920ء کو ترکِ موالات کا فتوی شائع کیا گیا۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے جاں نثار شاگرد مولانا حسین احمد مدنیؒ نے آپ کے اس مشن کو جاری رکھا، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی وفات کے بعد 1940ء سے تادم آخر جمعیۃ علماء ہند کے صدر رہے، کئی بار برطانوی عدالتوں میں پھانسی کی سزا سے بچے، آپ انگریزوں کی حکومت سے سخت نفرت رکھتے تھے، آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث کے منصب پر بھی فائز تھے۔ آزادی کے بعد اصلاحی کاموں میں مصروف ہوگئے، دینی خدمت وتزکیہ نفوس کے مقدس مشن میں لگے رہے، 5 ڈسمبر 1957ء میں وفات پائی، دیوبند میں قبرستان قاسمی میں آسودہ خواب ہیں۔

تحریک خلافت اور ہندو مسلم اتحاد

1919ء میں جلیاں والا باغ سانحہ جس میں کئی افراد ہلاک ہوئے، انھیں ایام میں تحریکِ خلافت وجود میں آئی، جس کے بانی مولانا محمد علی جوہر تھے، اس تحریک سے ہندو مسلم اتحاد عمل میں آیا۔ گاندھی جی، علی برادران (مولانا محمد علی جوہر و مولانا شوکت علی) اور مسلم رہنماؤں کے ساتھ ملک گیر دورہ کیا، اس تحریک نے عوام اور مسلم علماء کو ایک پلیٹ فارم پر کھڑا کردیا، جن میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ، مولانا آزاد سبحانی، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا سید محمد فاخر، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا احمد سعید دہلوی وغیرھم شریک تھے، الغرض ہندوستان کے اکابر علماء نے سالہا سال کے اختلافات کو نظر انداز کرکے تحریکِ خلافت میں شانہ بشانہ کام کیا۔ 1931ء میں مولانا محمد علی جوہر گول میز کانفرنس (Round Table Conference) لندن میں شرکت کے لیے گئے اور وہیں انتقال کرگئے، حکومت نے اپنے خرچ پر انکی لاش کو بیت المقدس بھیجا، اسی مقدس سرزمین میں آسودۂ خواب ہیں۔

تحریکِ ترک موالات

1920ء میں گاندھی جی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے غیر ملکی مال کے بائیکاٹ اور نان کوآپریشن (ترک موالات) کی تجویز پیش کی، یہ بہت کارگر ہتھیار تھا، جو اس جنگ آزادی اور قومی جدوجہد میں استعمال کیا گیا، انگریزی حکومت اس کا پورا پورا نوٹس لینے پر مجبور ہوئی اور اس کا خطرہ پیدا ہوا کہ پورا ملکی نظام مفلوج ہوجائے اور عام بغاوت پھیل جائے، آثار انگریزی حکومت کے خاتمہ کی پیشینگوئی کررہے تھے۔ (ہندوستانی مسلمان، ص ۱۵۷)

1921ء میں موپلا بغاوت، 1922ء میں چوراچوری میں پولیس فائرنگ، 1930ء میں تحریک سول نافرمانی و نمک آندولن، 1942ء میں ہندوستان چھوڑو تحریک (Quit India Movement)، 1946ء میں ممبئی میں بحری بیڑے کی بغاوت کی حمایت میں ہونے والے مظاہروں پر پولیس فائرنگ کے دوران ہزاروں مسلمان شہید ہوئے۔ انگریزوں کی قید و بند کے مصائب جھیلنے اور انکی گولیوں کا نشانہ بننے والوں کی تعداد تو شمار سے باہر ہے۔ عام مسلمانوں کے علاوہ شہید علماء کی تعداد بیس ہزار سے پچاس ہزار تک بتائی جاتی ہے؛ مگر ان اہم لیڈروں اور ان

اہم واقعات کے بغیر پوری تاریخ ادھوری اور حقیقت سے کوسوں دور ہے،جن میں مذکورہ بالا شخصیتوں کے علاوہ بہادر شاہ ظفر،بیگم محل،نواب مظفرالدولہ،امام بخش صہبائی،مولانا برکت اللہ بھوپالی،مولانا حسرت موہانی،مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی،ڈاکٹر سیف الدین کچلو،مولانا مظہرالحق،ڈاکٹر سید محمود وغیرہم نے جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ان کے علاوہ بھی ایک بڑی تعداد کا ذکر تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے؛جس کی یاد دلوں میں تازہ اور تاریخ کی نئی کتابوں میں محفوظ رہنی چاہیے؛غرض ہر طرح ہر موقع پر مسلمان جنگِ آزادی میں برابر شریک رہے ہیں،جن کو آج فراموش کیا جارہا ہے،کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جب پڑا وقت گلستاں پہ تو خوں ہم نے دیا
جب بہار آئی تو کہتے ہیں ترا کام نہیں